شام کا سویرا...... نزار قبّانی

آصف علی چٹھہ☆

Abstract

Nizar Qabbani was a profound scholar and famous Arabic poet of Syria. He started his career as diplomate but eventually concentrated fully on his writings. He broke away from the conventional structure of Arabic poetry by using usual vocabulary and single ryhme schemes. Although his poetry is simple and unphilosophical yet he raises a lot of questions in his poetry. He speaks very bravely about many taboos of his society. His unprecedented fame crossed the borders of Arab world. He produced world class literature. Besides his brief introduction, this article presents his love for his country, people and the Arab world.

عرب دنیا کے مقبول رومانوی شاعر نزار قبّانی 21 مارچ 1923ء کو دمشق کے ایک متمول گھرانے میں پیدا ہوئے۔ اس وقت شام فرانس کے زیرِ نگیں تھا اور فرانس کے خلاف تحریک مزاحمت منظم ہو رہی تھی۔ نزار کے والد توفیق قبّانی اس مزاحمتی تحریک کے سرکردہ مگر درپردہ رہنما تھے۔ نزار 1930ء سے 1941ء تک نیشنل سائنٹیفک کالج دمشق میں پڑھتے رہے۔ 1945ء میں دمشق یونیورسٹی سے قانون کی ڈگری حاصل کی۔ 1939ء میں زمانہ طالب علمی ہی میں پہلی نظم لکھ کر شاعری کا آغاز کیا۔ 1945ء سے 1966ء تک بھرپور رومانوی شاعری کی اور اس دوران میں قاہرہ، انقرہ، لندن، میڈرڈ، بیجنگ اور بیروت میں سفارتی خدمات بھی سرانجام دیں۔

☆ لیکچرار شعبہ اردو، گورنمنٹ اسلامیہ کالج سول لائنز، لاہور

1966ء میں سفارتی زندگی سے مستعفی ہو گئے۔ وہ اس وقت تک بیروت میں اپنا ایک اشاعتی ادارہ بھی قائم کر چکے تھے۔ بیروت کے شامی سفارت خانے میں نزار قبانی کی زوجہ بھی ملازمت کرتی تھیں جو اسرائیلی چھاپہ ماروں کے ایک حملے میں ہلاک ہوگئیں۔ اس کے بعد قبانی نے عرب دنیا کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ دیا۔(۱)

نزار نے زندگی کے آخری پندرہ سال خودساختہ جلاوطن کے طور پر لندن میں گزارے اور 30 اپریل 1998ء کو 75 سال کی عمر میں لندن کے ایک فلیٹ میں دل کے دورے کے دوران انتقال کر گئے۔ انھیں ان کی وصیت کے مطابق دمشق میں دفن کیا گیا۔ ہسپتال میں وصیت لکھتے ہوئے دمشق کے بارے میں لکھا:

> "The Womb that taught me poetry, taught me creativity and granted me the alphabets of Jasmine"(۲)

بیروت کے قیام کے دوران میں نزار قبانی کے فیض احمد فیض سے بھی مراسم رہے۔ نزار نے پچاس کے قریب شعری اور نثری کتب ادبی دنیا میں یادگار چھوڑیں اور عرب دنیا کے علاوہ مغرب میں بھی بہت شہرت حاصل کی۔ اردو میں امجد اسلام امجد، منو بھائی اور انوار زاہدی نے ان کی متعدد نظمیں ترجمہ کیں۔

> "He achieved unprecedented fame as an Arab poet, commanding a mass audience..... He acquired a fame which even Ahmed Shawqi, dubbed prince of poets, was unable to attain and this despite the fact that people's evaluation of Qabbani's poetic ability varied while that of Ahmed Shawqi was unanimously recognized by his contemporaries."(۳)

جون 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ میں عربوں کی شکست نے عربوں کو شدید ذہنی

اذیت سے دوچار کیا۔ ان کی عظمت رفتہ ایک قصہٴ پارینہ بن گئی اور مستقبل مایوسی اور ناامیدی کے اندھیروں میں ڈوب گیا۔ زندگی کے روشن پہلو بھی قوم کی نظروں سے اوجھل ہوگئے۔ اصل میں عرب اس سانحے کے لیے بالکل تیار نہیں تھے۔شعرا کا حساس طبقہ شاید اس صورت حال سے سب سے زیادہ سوگوار ہوا۔عربی شاعری پر اس واقعے کے اثرات کے بارے میں محمد کاظم لکھتے ہیں:

''جون کی اس شکست کے اثرات بعد کی عربی شاعری پر کافی نمایاں اور قابل شناخت ہیں۔عرب شعرا نے کبھی تو حزیران (ماہ جون) کا نام لے لے کر نظمیں کہیں مثلاً عبدالوہاب البیاتی کی نظم ''بکائیۃ الی شمس حزیران'' (آفتاب جون کی نذر ایک نوحہ)...... اور بیشتر ایسا ہوا کہ شکست کے بعد جو نظمیں شعرا نے کہیں، ان میں چاہے اس سانحے کا حوالہ تھا یا نہیں، ان کے تیور ضرور بدلے بدلے سے تھے۔ ان میں چیزوں کے بارے میں شاعر کا نقطہ نظر وہ نہیں تھا جو پہلے ہوا کرتا تھا۔ اپنے منہ کا مزا کڑوا ہونے کے باعث اسے ہر چیز میں حنظل کی سی تلخی محسوس ہوتی تھی۔چمن کا سبزہ، جو پہلے اس کی نگاہوں کو طراوت بخشتا تھا، اب اس میں اسے سانپ سرسراتے ہوئے محسوس ہوتے تھے۔محبت کا وہ جذبہ عظیم بھی، جو شاعر کے الہام کا سب سے بڑا منبع تھا اور جس سے اس کے شعروں میں ایک رسیلا پن اور دل میں اتر جانے والی کیفیت پیدا ہوتی تھی، اب اپنا طلسم کھو بیٹھا تھا۔دل، جو اس قومی المیے سے زخم زخم تھے، اب ان میں محبت کے مزید کچھ کے سہنے کی تاب باقی نہیں تھی۔''(۴)

نزار قبانی بھی 1967ء کے اس قومی سانحے سے قبل خالص رومانوی طرزِ احساس کے نمائندہ تھے۔لیکن ندوی طوفان کی مانند وہ بھی اپنا راستہ بدلنے پر مجبور ہوگئے۔ چہرہٴ محبوب کے خدوخال کا اسیر شاعر اب لیلائے وطن کا فریفتہ بن گیا۔ رومان کی خواب ناک وادیوں کا شہزادہ اپنی قوم کے امراض کے تنوروں تک جا پہنچا۔ وہ اپنی اس کایا کلپ کا ذکر ''شکست کی کتاب کے سیاہ حاشیے'' میں کرتے ہیں:

میرے غم زدہ ملک ایک لمحہ میں

تم نے مجھے نظمیں لکھنے والے شاعر سے

اس شاعر میں بدل دیا ہے جو چاقو سے لکھتا ہے۔ (۵)

عرب دنیا کے متعدد شعرا نے 1967ء کی شکست اور سانحۂ فلسطین کی خونچکاں داستان کے لیے قلم کو لہو میں ڈبو یا ہے لیکن نزار اپنی تلخ نوائی میں شاید سب کو مات دے گئے ہیں۔ انہوں نے اس سانحہ کا ذمہ دار مشرقی فرسودہ روایات، عرب دنیا کی شہنشائیت، اظہار رائے کی پابندی، پدرم سلطان بود کا نسلی تفاخر، کھوکھلے نعروں اور عربوں کی بے عملی اور عیاشی کو قرار دیا ہے۔ اور اس پر طنز وتعریض کے خوب نشتر چلائے ہیں۔

نزار نے عربوں کے سیاسی وسماجی نظام پر سب سے زبردست تنقید اپنی نظم ''ھوامش علی دفتر النکسۃ'' (Marginalia on the note book of the Disaster) میں کی ہے۔

> His poem "Marginal notes on the book of defeat" a stinging self criticism of Arab inferiority, drew anger from both the right and left sides of the Arab political dialogue.(٦)

اس میں عرب معاشرے کی خامیاں اور کمزوریاں بیان کی گئی ہیں۔ عرب دنیا میں اس کی تشہیر بھی ہوئی اور کئی ممالک میں اس پر پابندی بھی لگی۔ متعدد ناقدین نے قبانی کی شاعری پر پابندی لگانے کی تجویز بھی دی مگر جب سوشلزم کے علمبردار جمال عبدالناصر کو قبانی نے براہ راست اپنی نظم کے ساتھ اپنی یادیں لکھ کر بھیجیں تو انہوں نے پابندی ہٹالی۔ (۷)

نزار نے اپنی نظم ''روٹی حشیش اور چاند'' میں اہل مشرق کی اپنی عظمت رفتہ کے بار بار تذکروں پر شدید تنقید کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم ماضی پرستی کے مرض میں مبتلا ہیں اور صرف ماضی کے مزاروں کے مجاور بن بیٹھے ہیں۔ کیا لمحۂ حال میں صرف اپنے اسلاف کی قصیدہ گوئی کے بل بوتے پر ہم کوئی باعزت زندگی گزار سکتے ہیں ملاحظہ ہو:

ہم لمبے قصیدوں کی جگالی کرتے ہیں/ یہ مرض مشرق میں بہت عام ہے

لمبے قصیدوں کی جگالی کا/ ہمارا مشرق
اور بھی بہت سی جگالیاں کرتا ہے/ اپنی تاریخ کی جگالی
سیانے خوابوں کی جگالی/ ماضی کی من گھڑت داستانوں کی جگالی
ہمارا مشرق
اپنی تمام تر بہادری صرف کر دیتا ہے/ ابوزید الہلالی کی بہادری کی داستانوں
کی جگالی میں۔ (۸)

نزار قبانی نے اپنی نظم ''ایک بدو سے گفتگو جس کا گھوڑا کھو گیا ہے'' میں ان اہل قلم کی بھی خوب سرزنش کی ہے جو ہوسِ زر میں امرائے عرب کی قصیدہ گوئی میں رطب اللسان رہتے ہیں۔ جن کی لفظی بازی گری قوم کو تھپک تھپک کر سلاتی ہے اور انہیں جھوٹی تسلیاں دیتی ہے۔ جو لوگوں کو صدیوں سے بے عملی اور بے کاری کا درس دے رہے ہیں۔ جو بانجھ لفظوں کی ڈگڈگی سے داستاں سرائی میں مصروف ہیں۔ نزار عربوں کو کتاب خواں کے بجائے صاحب کتاب دیکھنے کے متمنی ہیں۔ ان کے خیال میں اہل قلم کا یہ فرض ہے کہ وہ لوگوں کو سراب لمحوں کے خواب نہ دکھائیں بلکہ حقیقت کا عریاں چہرہ دکھائیں۔ ان کی شاعری قوم کے لیے ایک شفاف آئینہ ہو۔ زہر ہلاہل کو قندو نبات کہنے والے قوم کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔

اگر یہ صحرائے نجد میری فغاں سنتے تو اسے بتاؤں
مرے تصرف میں ہو تو لفظوں کے کارخانوں کو سرخ مہروں
سے بند کر دوں! حروفِ ابجد کے شہسواروں کو قتل کر دوں
کہ جب سے ہم نے جنم لیا ہے
یہ ہم کو لفظوں کی چکیوں میں کچل رہے ہیں
اگر میں اپنے وطن میں کوئی مقام رکھتا
تو ایسے لوگوں کی انگلیوں کو تراش دیتا

جو اپنے لفظوں کو ظالموں کے غلیظ جوتوں پر پھیرتے ہیں
اور ان میں ایسی چمک دکھاتے ہیں، جو بھی دیکھے خود اپنے چہرے سے دوبدو ہو
میں ایسے لفظوں کو کاٹ دیتا جو بے ہنر ہیں۔ (۹)

نزار قبانی نے عرب شیوخ کی تعیش پسند زندگی کو بھی آڑے ہاتھوں لیا ہے۔ ان کے خیال میں عرب امرا آسائشوں اور عیاشیوں کے رسیا ہیں۔ وہ زندگی کی تلخ حقیقتوں کا مقابلہ کرنے اور ملک کو عسکری وحربی طور پر مضبوط بنانے کے بجائے مغرب کی رقص وسرود کی محفلوں میں پناہ لیتے ہیں اور اپنی دولت مغربی روشوں کے قدموں پر نچھاور کرتے ہیں۔ اسرائیل نے فلسطین پر ظلم وستم کی پہاڑ توڑے ہیں لیکن عرب بے حسی کی چادر تانے خواب خرگوش کے مزے لے رہے ہیں۔ اپنی نظم ''کب سمجھو گے''میں انھوں نے صحیح معنوں میں اپنی قوم کو جھنجھوڑنے کی کوشش کی ہے۔ دیکھیے:

پٹرولیم تمہارا ہے/ اسے اپنی داشتاؤں کے قدموں میں نچوڑ دو
پیرس کے نائٹ کلبوں نے/ تمہاری عالی ظرفی کو ہلاک کر دیا ہے
اور تم نے یروشلم بیچ دیا ہے/ اپنے بزرگوں کی ہڈیاں فروخت کر دی ہیں
جیسے کہ اسرائیل کے بھالوں نے/ تمہاری بہنوں کے حمل نہیں گرائے
اور تمہارے گھر تباہ نہیں کیے/ اور تمہارے قرآن نہیں جلائے
جیسے اس نے اپنے جھنڈے/ تمہارے جھنڈوں کی دھجیوں پر نہیں لہرائے
جیسے وہ جو جافا میں حیفہ میں/ اور بیر شیبا میں درختوں پر لٹکائے گئے
تمہارے کچھ نہیں لگتے تھے/ یروشلم اپنے لہو میں ڈوب رہا ہے
جب تم اپنی خواہشوں کے شکار ہو/ آسائشوں کے مریض ہو
عیاشیوں کے اسیر ہو/ اور یوں سو رہے ہو
جیسے یہ المیہ/ تمہارے المیے کا حصہ نہ ہو
کب سمجھو گے؟/ تمہاری روح میں انسانیت کب جاگے گی۔ (۱۰)

نزار قبانی نے شاعری میں صرف طنز کے نشتر نہیں چلائے بلکہ عربوں کے اندر پائی جانے والی بیماریوں کی باقاعدہ نشاندہی بھی کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ دشمن کی فتح کا سبب اس کی مہارت سے زیادہ ہماری خامیاں ہیں۔ اس نے ہماری کمزوریوں سے فائدہ اُٹھایا ہے اور ہم نے اپنی غلطیوں کی سزا پائی ہے۔

صیہونیوں نے ہماری سرحدیں عبور نہیں کیں
وہ تو ہماری خامیوں اور غلطیوں کے
سوراخوں سے چیونٹیوں کی طرح در آئے ہیں۔(۱۱)

نزار کے خیال میں ہماری اصلاح اور احیا کی ایک ہی صورت ہو سکتی ہے کہ ہمیں کھلے دل سے اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کرنا چاہیے اور یہ باور کرنا چاہیے کہ یہ دار العمل ہے اور یہاں جو بھی راہ عمل پر گامزن ہے وہی محبوب فطرت ہے۔ یہ قانونِ فطرت ہے کہ انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کے لیے وہ تگ و دو کرتا ہے۔ جو ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا ہے، وہ ناکام رہتا ہے اور جو ہاتھوں میں ہاتھ دیے جستجو کرتا ہے ضرور کامیاب ہوتا ہے۔

حالات کو الزام نہ دو/آسمانوں پر بھی تہمت نہ لگاؤ
وہ تمھیں چھوڑ بیٹھے ہیں/خدا، جو جسے چاہے فتح سے ہمکنار کر دے
کوئی لوہار نہیں ہے/ جو تمہارے لیے تلواریں تیار کرے
ہماری چمڑی بے حس ہو چکی ہے/ ہماری روحوں کا دیوالیہ پٹ چکا ہے
ہماری زندگی شطرنج، توہمات اور غنودگی / سے عبارت ہے
کیا ہم دنیا کی بہترین قوم ہیں؟ (۱۲)

نزار کے نزدیک عربوں کے زوال کی ایک بہت بڑی وجہ بادشاہی نظام ہے۔حکمران امور مملکت اور عوامی مسائل کی جانب متوجہ ہونے کے بجائے اپنی بادشاہت کو مضبوط کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔حکومتی مشینری کا ایک بڑا حصہ اپنے ہی عوام کی جاسوسی میں مصروف رہتا ہے۔

چونکہ حکمرانوں کو اپنے عوام کی سیاسی و اخلاقی حمایت میسر نہیں ہوتی اس لیے وہ بیرونی طاقتوں کے دباؤ میں با آسانی آ جاتے ہیں اور وہ فیصلے بھی قبول کیے جاتے ہیں جو ملک وقوم کے لیے تباہی کا موجب بنتے ہیں۔

جان کی امان پاؤں/ اور سلطان سے مل سکوں
تو کہوں عالی جاہ!/ آپ کے شکاری کتوں نے
میرا لباس تار تار کر دیا ہے/ آپ کے مخبر ہر وقت میرا تعاقب کرتے ہیں
ان کی آنکھیں، ان کے کان، ان کے قدم/ میرا پیچھا کرتے ہیں
جیسے کہ میں ان کی منزل ہوں/ اور وہ میرا نصیب۔(۱۳)

نزار نے یہ تجزیہ بھی کیا ہے کہ وہ معاشرہ جس میں اظہار رائے کی آزادی نہ ہو بہت جلد زوال کا شکار ہو جاتا ہے۔ وہ ملک جس میں اختلافِ رائے جرم ہو زیادہ دیر مستحکم نہیں رہ سکتا اور وہ قوم جس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں پر پابندی لگا دی جائے، بہت جلد متعفن ہو جاتی ہے۔ نزار نے اصحاب بست وکشاد کو اس اہم مسئلے کی جانب متوجہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

عالی جاہ! میرے سلطان ذی وقار/ ہماری آدھی قوم کے منہ میں زبان نہیں ہے
کیا قدر ہو سکتی ہے ان کی/ جن کی زبانیں بند اور ہونٹ سلے ہوئے ہوں
ہماری نصف سے زیادہ آبادی/ کیڑوں مکوڑوں اور چوہوں کی طرح
چار دیواریوں میں بند ہے
اور جناب
کیا کوئی قوم اظہار کی آزادی کے بغیر زندہ رہ سکتی ہے......
اگر شاہی چمچوں کے ظلم سے بچ کر/ سلطان کے حضور پہنچ پاؤں
تو عرض کروں کہ عالی جاہ!/ آپ دو مرتبہ جنگ ہار چکے ہیں
کیونکہ آپ انسانی حقوق سے منکر ہیں (۱۴)

نزار کے خیال میں مسلمانوں اور خصوصاً عربوں میں اتحادِ باہمی کا فقدان بھی شکست کا بہت بڑا سبب ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ کفر روز ازل سے **ملت** واحدہ ہے۔ بالفور ڈیکلریشن سے لے کر اسرائیل کے قیام تک اور اس کے بعد آج کے دن تک برطانیہ اور امریکہ کی سرکردگی میں تمام مغرب نے اس صیہونی غیر قانونی ریاست کے قیام و استحکام میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے۔ دوسری جانب عراق نے کبھی کویت پر چڑھائی کی، کبھی ایران پر چڑھ دوڑا اور کبھی سعودی عرب کو آنکھیں دکھائیں۔ اسی طرح باقی اسلامی ملک بھی کبھی شیر و شکر نہ ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ او آئی سی میں شامل تمام اسلامی ممالک آج تک اسرائیل کے خلاف کوئی لائحہ عمل طے نہیں کر سکے کہ کیسے اس بھیڑیئے کو مسلمانوں کی خوں ریزی سے باز رکھا جا سکتا ہے۔

اگر ہم اتحاد کو صحرا میں دفن نہ کرتے
اگر ہم اس کے نازک جسم کو بھالوں سے چھلنی نہ کر دیتے
اگر ہم اتحاد کو آنکھوں سے لگا کر رکھتے
تو آج ہمارے جسم
وحشی کتوں کے ناخنوں اور دانتوں میں نہ ہوتے۔ (۱۵)

عالم اسلام قدرتی وسائل سے بھرپور ہے۔ خصوصاً عرب دنیا تیل کی دولت سے مالا مال ہے۔ دنیا میں تیل کی کل پیداوار کا تقریباً 70% عرب زمین کا مرہون منت ہے لیکن نزار کے مطابق عربوں نے اس دولت کو صرف زندگی کو پر آسائش بنانے میں صرف کیا ہے۔ وہ اس کے صحیح مصرف سے ایٹمی طاقت بن کر اپنے دفاع کو ناقابل تسخیر بنا سکتے تھے۔ وہ زرمبادلہ کے وسیع ذخائر سے اقتصادی طور پر بام کمال تک پہنچ سکتے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسے اپنے دشمنوں کے خلاف ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کر سکتے تھے۔ اب اہل مغرب نے اس دولت پر بھی قبضہ کر لیا ہے۔ عراق پر حملہ، سعودی عرب میں امریکی فوج کی موجودگی، کویت کی تعمیر نو کے بہانے اس پر تصرف اور افغانستان پر حملہ اور اس کے بعد روس سے آزاد ہونے والی ریاستوں

تک رسائی اسی منصوبے کی تکمیل کے لیے ہیں:

تیل، جس سے ہمارے صحراؤں کے پاتال لبریز ہیں
ایک آتش ناک بھالے کی طرح استعمال کیا جا سکتا تھا
مگر شرفائے قریش، عمائدین عوث
اور معززین نزار کو شرم آنی چاہیے
اسے لونڈیوں کے قدموں میں بہا دیا گیا۔ (۱۶)

نزار محض بیماری کی تشخیص نہیں کرتے بلکہ اس کا مناسب علاج بھی تجویز کرتے ہیں۔ نزار اپنی موجودہ نسل سے بیزار اور مایوس سہی لیکن مستقبل سے مایوس نہیں ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہماری نئی نسل ایسی ہونی چاہیے جو نئے افکار اور خیالات کی آبیاری کرے۔ فرسودہ روایات کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے۔ جو کڑے احتساب کو رواج دے۔ ہر طرح کی مصلحتوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے کسی کو بھی قانون سے بالاتر نہ ہونے دے۔ ان کے خیال میں عظیم انسانوں اور رہنماؤں کی ایسی ہی نسل قوم کی کشتی کو منجدھار سے نکال سکتی ہے۔ یوں نزار اپنی ساری امیدیں نئی نسل سے وابستہ کرتے ہیں۔

بچو! / بحر اوقیانوس سے بحیرۂ عرب اور خلیج تک پھیلے ہوئے بچو!
تم گندم کی بالیوں کی طرح ہماری امید ہو/تم ہی وہ نسل ہو
جو زنجیریں توڑے گی/ جو ہمارے سروں کی افیون تلف کرے گی
ہماری خوش فہمیوں، اندیشوں اور واہموں کو/موت کے گھاٹ اتارے گی
بچو! /تم بہار کی بارش ہو!
امید کی کونپلیں ہو! / ہماری بنجر زمینوں میں زرخیزی کے بیج ہو!
تم ہی وہ نسل ہو/ جو ہماری شکست کو
اپنی فتح میں تبدیل کر سکتی ہے۔ (۱۷)

نزار کا یہ خاص کمال ہے کہ انھوں نے عربی شاعری کو عوامی زبان سے ہمکنار کیا۔ انھوں نے عام لوگوں کے جذبوں کو زبان دی۔ حتیٰ کہ ان پڑھ عرب بھی ان کی شاعری سن کر سر دھنتے تھے۔

"Before him, Arabic poetry was formal and grand. He inserted it in to the language of every day, modern life, thus making poetry a common property. His poetry accompanied kitchen utensils and became a fluid expression of the normal, the familiar and the simple in life, politics and sentiment. The reconciliation he effected was between poetry, on the one hand, and young students, housewives, clerks, professionals and heads of state, on the other."(۱۸)

محمد کاظم کے بقول ان کی شاعری کے خاص موضوع دو ہیں: ایک عورت اور مرد کا رشتہ اپنی تمام ابعاد Dimensions کے ساتھ اور دوسرے عرب سیاسی اور معاشرتی زندگی پر کھلی کھلی طنز اور مزاحمت کے رویے، جہاں کہیں بھی ہوں، ان کی حمایت!۔ (۱۹)

نزار کی شاعری اس بات کی روشن دلیل ہے کہ انہوں نے ان موضوعات سے خوب انصاف کیا ہے۔ عرب دنیا میں ان کی رومانوی اور سیاسی شاعری یکساں طور پر مقبول ہے۔ سیاسی و معاشرتی شاعری میں ان کے کٹیلے لہجے کا سبب یہ ہے کہ انہیں اپنی قوم سے بہت محبت ہے۔ وہ اس کی اصلاح اور ترقی کے متمنی ہیں۔ چنانچہ اسے خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کے لیے خوب جھنجھوڑتے ہیں۔ احساسِ زیاں جتنا گہرا ہوتا ہے، اس پر ردِ عمل بھی اتنا ہی شدید ہوتا ہے۔ نزار نے اپنے مقصد اور فن دونوں کی آبیاری کی ہے۔

☆☆☆☆☆

حوالہ جات وحواشی

(۱) منو بھائی ''جلاوطنی میں تنہائی کی موت'' مشمولہ محبت کی ایک سو ایک نظمیں۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 1999ء، ص 7 تا 12

(۲)http=//en.wikeipedia-org/wiki/nizar-qabbani

(۳)www.arab wored books.com/authors/nizar-qabbani. page2of 3.۔

(۴) محمد کاظم۔ عربی ادب میں مطالعے۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 1990ء، ص 198

(۵) نزار قبانی۔ ''(ہوزیداں کا تجربہ)۔ مترجم، انور زاہدی، مشمولہ ماہنامہ آثار، جلدن، شمارہ نمبرن، اسلام آباد: آثار اکادمی، جولائی اگست 1998ء، ص 209

(۶) http://en.wikipedia.org/wiki/Nizar-Qabani.

(۷) عبدالحق حقانی قاسمی۔ فلسطین کے چار ممتاز شعرا۔ دہلی: تخلیق کار پبلشرز، 1995ء، ص 72

(۸) نزار قبانی۔ ''روٹی، حشیش اور چاند''، مترجم: منو بھائی مشمولہ محبت کی ایک سو ایک نظمیں، ص 153

(۹) نزار قبانی۔ ایک بدو سے گفتگو جس کا گھوڑا کھو گیا ہے''، مترجم، امجد اسلام امجد، مشمولہ عکس، لاہور: مجلس ترقی ادب، 1976ء، ص 50

(۱۰) نزار قبانی۔ ''کب سمجھو گے''، مترجم: منو بھائی، مشمولہ محبت کی ایک سو ایک نظمیں، ص 159

(۱۱) نزار قبانی۔ ''ان کی کیا قدر جن کی زبانیں بند ہیں''، مترجم: منو بھائی، مشمولہ محبت کی ایک سو ایک نظمیں، ص 164

(۱۲) ایضاً: ص 163-165

(۱۳) ایضاً: ص 166

(۱۴) ایضاً: ص 167-169

(۱۵) ایضاً: ص 168

(۱۶) ایضاً: ص 165

(۱۷) ایضاً: ص 170

18. http=/www-arab word books.com/authors/nizar-qabbani.html.

(۱۹) محمد کاظم۔ عربی ادب کی تاریخ۔ لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، 2004ء، ص 473